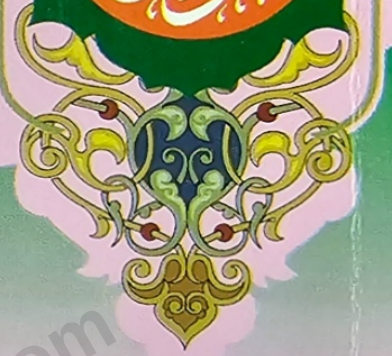


ابوالاعلیٰ



تَفْسِيرُ سُورَةِ

نَفْسَان

۳۱



ابو الأعلى



تَفْسِيرُ سُورَةِ

نَقْصَان

۳۱



دیباچہ

نام | اس سورہ کے دوسرے رکوع میں وہ نصیحتیں نقل کی گئی ہیں جو لقمان حکیم نے اپنے بیٹے کو کی تھیں ماسی مناسبت سے اس کا نام لقمان رکھا گیا ہے۔

زمانہ نزول | اس کے مضامین پر غور کرنے سے صاف محسوس ہوتا ہے کہ یہ اُس زمانے میں نازل ہوئی ہے جب اسلامی دعوت کو دبانے اور دکنے کے لیے جبر و ظلم کا آغاز ہو چکا تھا اور ہر طرح کے ستم و کٹھن سے استعمال کیے جانے لگے تھے لیکن ابھی طوفان مخالفت نے پوری شدت اختیار نہ کی تھی۔ اس کی نشان دہی آیت ۱۴-۱۵ سے ہوتی ہے جس میں نئے نئے مسلمان ہونے والے نوجوانوں کو بتایا گیا ہے کہ والدین کے حقوق تو بے شک خدا کے بعد سب سے بڑے ہیں، لیکن اگر وہ تمہیں اسلام قبول کرنے سے روکیں اور دینِ شرک کی طرف پلٹنے پر مجبور کریں تو ان کی یہ بات برگزناؤ۔ یہی بات سورہ تکوین میں بھی ارشاد ہوئی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں سورتیں ایک ہی قدر میں نازل ہوئی ہیں۔ لیکن دونوں کے مجموعی اندازہ بیان اور مضمون پر غور کرنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سورہ لقمان پہلے نازل ہوئی ہے، اس لیے کہ اس کے پس منظر میں کسی شدید مخالفت کا نشان نہیں ملتا، اور اس کے برعکس سورہ تکوین کو پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ اُس کے نزول کے زمانہ میں مسلمانوں پر سخت ظلم و ستم ہو رہا تھا۔

موضوع و مضمون | اس سورہ میں لوگوں کو شرک کی لغویت و نامعقولیت اور

توحید کی صداقت و معقولیت سمجھائی گئی ہے۔ اور انہیں دعوت دی گئی ہے کہ باپ دادا کی انارہی تقلید چھوڑ دیں، گھلے دل سے اس تعلیم پر غور کریں جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم خداوند عالم کی طرف سے پیش کر رہے ہیں، اور کھلی آنکھوں سے دیکھیں کہ ہر طرف کائنات میں اور خود ان کے اپنے نفس میں کیسے کیسے صریح آثار اس کی سچائی پر شہادت دے رہے ہیں۔

اس سلسلے میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ کوئی نئی آواز نہیں ہے جو دنیا میں، یا خود دیار عرب میں پہلی مرتبہ ہی اٹھی ہو اور لوگوں کے لیے بالکل نامانوس ہو۔ پہلے بھی جو لوگ علم و عقل اور حکمت و دانائی رکھتے تھے وہ یہی باتیں کہتے تھے جو آج محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہہ رہے ہیں۔ تمہارے اپنے ہی ملک میں لقمان نامی حکیم گزر چکا ہے جس کی حکمت و دانش کے افسانے تمہارے ہاں مشہور ہیں، جس کی ضرب الامثال اور جس کے حکیمانہ مقولوں کو تم اپنی گفتگوؤں میں نقل کرتے ہو، جس کا ذکر تمہارے شاعر اور خطیب اکثر کیا کرتے ہیں۔ اب خود ہی دیکھ لو کہ وہ کس عقیدے اور کن اخلاقیات کی تعلیم دیتا تھا۔



آيَاتُهَا ۳۴ سُورَةُ لُقْمٰنَ مَكِّيَّةٌ رُّكُوعَاتُهَا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
 اَلَمْ ۱ تِلْكَ اٰیَةُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۲ هُدًى وَرَحْمَةً
 لِلْمُحْسِنِیْنَ ۳ الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ
 الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۴ اُولٰٓئِكَ عَلٰی

۱۔ ا۔ م۔ یہ کتاب حکیم کی آیات ہیں، ہدایت اور رحمت نیکو کار لوگوں کے لیے
 جو ناز قائم کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے
 ۲۔ یعنی ایسی کتاب کی آیات جو حکمت سے لبریز ہے، جس کی ہر بات حکیمانہ ہے۔

۳۔ یعنی یہ آیات راہ راست کی طرف رہنمائی کرنے والی ہیں اور خدا کی طرف سے رحمت
 بن کر آئی ہیں، مگر اس رحمت اور ہدایت سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہی لوگ ہیں جو حسن
 عمل کا طریقہ اختیار کرتے ہیں، جو نیک بننا چاہتے ہیں، جنہیں بھلائی کی جستجو ہے، جن کی صفت یہ
 ہے کہ برائیوں پر جب اُنہیں متنبہ کر دیا جائے تو ان سے رُک جاتے ہیں اور خیر کی راہیں جب
 اُن کے سامنے کھول کر رکھ دی جائیں تو اُن پر چلنے لگتے ہیں۔ رہے بدکار اور شر پسند لوگ تو وہ
 نہ اس رہنمائی سے فائدہ اٹھائیں گے نہ اس رحمت میں سے حصہ پائیں گے۔

۴۔ یہ مراد نہیں ہے کہ جن لوگوں کو ”نیکو کار“ کہا گیا ہے وہ بس انہی تین صفات کے
 حامل ہوتے ہیں۔ دراصل پہلے ”نیکو کار“ کا عام لفظ استعمال کر کے اس امر کی طرف اشارہ کیا
 گیا کہ وہ اُن تمام برائیوں سے رکنے والے ہیں جن سے یہ کتاب روکتی ہے، اور اُن سارے نیک
 کاموں پر عمل کرنے والے ہیں جن کا یہ کتاب حکم دیتی ہے۔ پھر اُن ”نیکو کار“ لوگوں کی تین اہم صفات
 کا خاص طور پر ذکر کیا گیا جس سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ باقی ساری نیکیوں کا دار و مدار انہی

هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿٥﴾

رب کی طرف سے راہِ راست پر ہیں اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔

تین چیزیں پر ہے۔ وہ نماز قائم کرتے ہیں، جس سے خدا پرستی و خدا نرہی اُن کی مستقل عادت بن جاتی ہے۔ وہ زکوٰۃ دیتے ہیں جس سے ایسا قریبانی کا بندہ اُن کے اندر مستحکم ہوتا ہے، متاعِ دنیا کی محبت دہتی ہے اور رضائے الہی کی طلب ابھرتی ہے۔ اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں، جس سے ان کے اندر ذمہ داری و جواب دہی کا احساس ابھرتا ہے، جس کی بدولت وہ اُس جانور کی طرح نہیں رہتے جو چراگاہ میں چھوٹا پھرتا رہتا ہو، بلکہ اس انسان کی طرح ہو جاتے ہیں جسے یہ شعور حاصل ہو کہ میں خود مختار نہیں ہوں، کسی آقا کا بندہ ہوں اور اپنی ساری کارگزاریوں پر اپنے آقا کے سامنے مجھے جواب دہی کرنی ہے۔ ان تین خصوصیات کی وجہ سے یہ ”نیکوکار“ اُس طرح کے نیکوکار نہیں رہتے، جن سے اتفاقاً نیکی سرزد ہو جاتی ہے اور بدی بھی اُسی شان سے سرزد ہو سکتی ہے جس شان سے نیکی سرزد ہوتی ہے۔ اس کے برعکس یہ خصوصیات ان کے نفس میں ایک مستقل نظام فکر و اخلاق پیدا کر دیتی ہیں جس کے باعث ان سے نیکی کا صدور باقاعدہ ایک مضابطہ کے مطابق ہوتا ہے اور بدی اگر سرزد ہوتی بھی ہے تو محض ایک حادثہ کے طور پر ہوتی ہے، کوئی گہرے محرکات ایسے نہیں ہوتے جو ان کے نظام فکر و اخلاق سے ابھرتے اور ان کو اپنے اقتضائے طبع سے بدی کی راہ پر لے جاتے ہوں۔

لہٰذا جس زمانہ میں یہ آیات نازل ہوئی ہیں اس وقت کفار مکہ یہ سمجھتے تھے اور علانیہ کہتے بھی تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اُن کی اس دعوت کو قبول کرنے والے لوگ اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں۔ اس لیے حشر کے ساتھ اور پورے روم کے ساتھ فرمایا گیا کہ ”یہی فلاح پانے والے ہیں۔ یعنی یہ برباد ہونے والے نہیں ہیں جیسا کہ تم اپنے خیالِ خام میں سمجھ رہے ہو بلکہ دراصل فلاح ہی لوگ پانے والے ہیں اور اُن سے محروم رہنے والے وہ ہیں

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ

اور انسانوں ہی میں سے کوئی ایسا بھی ہے جو کلامِ دلفریب خرید کر لاتا ہے تاکہ

جنہوں نے اس راہ کو اختیار کرنے سے انکار کیا ہے۔

بیانِ قرآن کے حقیقی مفہوم کو سمجھنے میں وہ شخص سخت غلطی کرے گا جو فلاح کو صرف اس دنیا کی حد تک اور وہ بھی صرف مادی خوشحالی کے معنی میں لے گا۔ فلاح کا قرآنی تصور معلوم کرنے کے لیے حسب ذیل آیات کو تفہیم القرآن کے تشریحی حواشی کے ساتھ بغور دیکھنا چاہیے: البقرہ، آیات ۲ تا ۵۔ آل عمران آیات ۱۰۲، ۱۳۰، ۲۰۰۔ المائدہ: آیات ۲۵، ۹۰۔ الانعام: ۲۱۔ الاعراف، آیات ۸۰، ۸۱۔ التوبہ: ۸۸۔ یونس، ۱۰۷۔ النحل، ۱۱۶۔ النج، ۷۷۔ المؤمنون، ۷۱۔ النور، ۵۱۔ الروم، ۲۸۔

۵۵ یعنی ایک طرف تو خدا کی طرف سے یہ رحمت اور ہدایت آئی ہوئی ہے جس سے کچھ لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ دوسری طرف اپنی خودش نصیب انسانوں کے پہلو بہ پہلو ایسے بد نصیب لوگ بھی موجود ہیں جو اللہ کی آیات کے مقابلہ میں یہ طرزِ عمل اختیار کر رہے ہیں۔

۵۶ اصل الفاظ ہیں "لَهْوَ الْحَدِيثِ" یعنی ایسی بات جو آدمی کو اپنے اندر مشغول کر کے ہر دوسری چیز سے غافل کر دے۔ لغت کے اعتبار سے تو ان الفاظ میں کوئی ذم کا پہلو نہیں ہے۔ لیکن استعمال میں ان کا اطلاق بُری اور فضول اور مہمودہ باتوں پہ ہی ہوتا ہے مثلاً گپ، خرافات، ہنسی مذاق، داستانیں، افسانے اور ناول، گانا بجانا، اور اسی طرح کی دوسری چیزیں۔

لہو الحدیث "خریدنے" کا مطلب یہ بھی لیا جاسکتا ہے کہ وہ شخص حدیثِ حق کو چھوڑ کر حدیثِ باطل کو اختیار کرتا ہے اور ہدایت سے منہ موڑ کر ان باتوں کی طرف راغب ہوتا ہے جن میں اس کے لیے نہ دنیا میں کوئی بھلائی ہے نہ آخرت میں۔ لیکن یہ مجازی معنی ہیں۔